# مکی و مدنی آیات احکام میں تسلسل وارتقاء

محمد ابراہیم *

ناصر الدین **

## Abstract

The life of the Holy Prophet Muhammad (peace be upon him) divided into two periods: Makki and Madni. Likely, there are two specific divisions found in Tafaseer and Hadith books: Makki era and Madni era. Generally it is understood that they are two separate eras, which are completely different from each other. Even this delusion is found about Quranic Verses which are divided as Makki and Madni Verses and Surahs. From this aspect orientalist objected Islam too. But the fact is that the rules of Islam come according to the conditions of whom Islam spoke to or according to the circumstances and situations at the time of Revelation. So there is the consistency in the revelations, whether they are revealed in Makkah or Madina. But the strong link between these two eras is that the Ahkam, which are revealed in Makkah, are principles and Madani Ahkams are the interpretation of them.

It has been proved in this article that Islam is the completion of Deen e Hanif and there is a consistency between Makki and Madni era. The division of Makki and Madni era in history is just to describe the specific background of revealed verses and Ahkam.

***KEYWORDS****: Deen e Hanif, Makki Madani era, Verses Consistency.*

* محمد ابراہیم، لیکچرار، شعبہ علوم اسلامیہ و دینیہ، ہزارہ یونیورسٹی مانسہرہ، خیبر پختونخواہ۔

** ڈاکٹر ناصر الدین، ایسوسی ایٹ پروفیسر، شعبہ علوم اسلامیہ و دینیہ، ہزارہ یونیورسٹی مانسہرہ، خیبر پختونخواہ۔

## تمہید

اسلام ایک جامع دین ہے، یہ قانونِ خداوندی ہے، اس کے نزول کا زمانہ ۲۳ سال ہے، ان ۲۳ سالوں میں یہ مکمل ہوا، آنحضرت ﷺ پر وحی مسلسل ۲۳ سال اترتی رہی، پہلے آپ ﷺ مکہ مکرمہ میں تھے اور پھر ہجرت کر کے مدینہ طیبہ چلے گئے، لیکن وحی کا یہ سلسلہ منقطع نہ ہوا، جس طرح وحی کے نزول میں تسلسل باقی رہا، اسی طرح احکاماتِ الٰہیہ میں بھی تسلسل رہا، لیکن عام طور پر سیرت نگاروں نے اسلام و سیرت رسول ﷺ کو مکہ و مدینہ کے دو مختلف ادوار کے تناظر میں دیکھا، اور انہی دو مختلف ادوار کے تحت سیرت رسول ﷺ اور تاریخ اسلام کو قلمبند کیا، عمومی طور پر ان دو عہدوں کی اصطلاح قائم ہوئی اور مکی و مدنی اسلام کو علیحدہ علیحدہ انداز سے بیان کرنے کی نوبت آئی، حتی کہ قرآن کریم میں مکی و مدنی سورتوں اور آیات کو بھی اسی عنوان سے معنون کیا گیا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ مکہ و مدینہ کے ادوار میں یہاں کے احوال مختلف تھے، لیکن اس سے یہ قطعاً لازم نہیں آتا کہ ان میں کوئی ارتقائی تعلق و تسلسل بھی نہ ہو، کیونکہ احکامِ اسلام باری تعالیٰ کا قانون ازلی ہیں، یہ حادثات کے سبب اوراچانک اترنے والا دین نہیں ہے، اس کی تکمیل باقاعدہ ترتیب و حکمتِ خداوندی سے ہوئی۔

## اسلام کا دینِ حنیف سے ربط

اسلام حادثات وواقعات کے زیرِ اثر تشکیل پانے والا دین نہیں بلکہ اسلام اللہ تبارک وتعالیٰ کے نازل کردہ احکام کی تکمیل کا نام ہے، انھی احکامات کی تکمیل جن کا سلسلہ حضرت آدم علیہ السلام سے شروع ہوا، اور آنحضرت ﷺ پر مکمل ہوا۔ باری تعالیٰ نے قرآن کریم میں اس کی یوں وضاحت فرمائی ہے:

شَرَعَ لَكُمْ مِنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحاً وَّالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسٰٓى اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ كَبُرَ عَلَى الْمُشْرِكِيْنَ مَا تَدْعُوْهُمْ اِلَيْهِ اَللّٰهُ يَجْتَبِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يَّشَاۗءُ وَيَهْدِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يُّنِيْبُ[1]

" (اے مسلمانو!) اللہ نے تمہارے لئے دین میں وہی کچھ مقرر کیا ہے جس کی وصیت اس نے نوح (علیہ السلام) کو کی تھی اور جس کی وحی ہم نے (اے محمد ﷺ) آپ کی طرف کی ہے اور جس کی وصیت ہم نے کی تھی ابراہیم کو اور موسیٰ کو اور عیسیٰ کو کہ قائم کرو دین کو۔ اور اس میں تفرقہ نہ ڈالو۔ (اے نبی ﷺ) بہت بھاری ہے مشرکین پر یہ بات جس کی طرف آپ ان کو بلا رہے ہیں، اللہ جس کو چاہتا ہے اپنی طرف (آنے کے لئے) چُن لیتا ہے اور وہ اپنی طرف ہدایت اسے دیتا ہے جو خود رجوع کرتا ہے۔"

اس آیت کی تفسیر میں امام مجاہدؒ فرماتے ہیں:

أَوْصَاكَ بِهِ يَا مُحَمَّدُ وَأَنْبِيَاءَهُ كُلَّهُمْ بِالْإِسْلَامِ دِينًا وَاحِدًا (۲)

"آپ کو اے محمد اور تمام انبیاء کو ایک ہی دین اسلام کی وصیت کی ہے۔"

اسی طرح قرآن کریم میں ارشاد ہے:

وَ اِنَّ هٰذِهٖٓ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّ اَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّقُوْنِ ۵۲ فَتَقَطَّعُوْٓا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ زُبُرًا كُلُّ حِزْبٍۢ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ (۳)

"اور یقیناً یہ تمہاری امت ایک ہی امت ہے اور میں تمہارا رب ہوں بس تم میرا ہی تقویٰ اختیار کرو لیکن لوگوں نے اپنے معاملے کو اپنے مابین تقسیم کر لیا ٹکڑے کر کے ہر گروہ کے لوگ جو کچھ ان کے پاس ہے اس پر اترا رہے ہیں۔"

درج بالا آیات سے واضح ہوتا ہے کہ انبیاء کرام ایک ہی اصل لے کر آئے تھے، ان سب کا دین ایک ہی تھا، کوئی بھی نیا دین لے کر نہیں آیا، اس بات کی تائید اس حدیث شریف سے بھی ہوتی ہے جس میں آنحضرت ﷺ نے اپنی اور باقی انبیاء کی مثال اس سے دی کہ ایک شخص ایک مکان بناتا ہے اسے خوب بناتا سجاتا ہے مگر کسی ایک کونے میں کوئی ایک اینٹ چھوڑ دیتا ہے لوگوں کو وہ مکان بڑا بھا جاتا ہے لیکن اس رہ جانے والی اینٹ کی جگہ کو دیکھ کر وہ کہتے ہیں کاش کہ مکان بنانے والے نے یہ اینٹ بھی لگادی ہوتی (تو یہ اور بھی خوبصورت دکھتا)، حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ وہ (آخری) اینٹ میں ہوں اور میں ہی آخری نبی ہوں۔ (۴)

اس حدیث سے یہ بات بالکل عیاں ہوتی ہے کہ آنحضرت ﷺ کی اس دنیا میں آمد ایک ایسے سلسلے کی کڑی ہے جو باری تعالیٰ نے اس دنیا میں اشرف المخلوقات کی رشد وہدایت کے لئے جاری کیا، آنحضرت ﷺ کو جو دین عطا کیا گیا ہے یہ کوئی نیا دین نہیں بلکہ یہ انہی اصولوں کی بقاء کا نام ہے جو دوسرے انبیاء پر نازل کیے گئے۔

## شریعتوں میں اختلاف کی حقیقت

اسلام ایک تسلسل وار تقائی مراحل کی تکمیل کا نام ہے، اس کا تعلق سابقہ انبیاء کی دعوت دین سے بہت مضبوط ہے، بلکہ یہ انہی کی تکمیل ہے، انبیاء کرام کو جو اصول اور جو دین دیا گیا ہے وہ ایک ہی ملت ہے، البتہ ہر نبی کے زمانے میں کچھ احکام میں تبدیلی واقع ہوتی رہی ہے اور اس کی اصل یہ ہے کہ ہر نبی جس قوم میں مبعوث ہوتا تھا وہ اس قوم میں سابقہ نبی کی تعلیمات کو ہی برقرار رکھتا تھا، مگر اس زمانے کے لوگوں کی مصلحتوں کی وجہ سے اسے کچھ احکام ایسے دیے جاتے تھے، جو سابقہ امم کی مصلحتوں کے موافق نہ ہونے کی وجہ سے ان میں موجود نہ ہوتے تھے، یا کچھ احکام مبعوث ہونے والا نیا نبی تبدیل کر دیتا تھا اور اس کی وجہ بھی صرف یہ ہوتی تھی کہ جس مصلحت کے تقاضے کی بناء پر وہ حکم رائج تھا اب اس

مصلحت کا وہ تقاضانہ تھا۔اور یہ کوئی غیر معقول چیز نہیں تھی بلکہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ کسی وقت میں ایک مصلحت کا موقع ہوتا ہے اور دوسرے وقت میں اس مصلحت کا موقع نہیں ہوتا، عقلی طور پر خارجی زندگی میں اس کی مثال اس بیمار شخص کی ہے جس کو ایک ہی بیماری میں مختلف موسموں میں مختلف دوائیاں دی جاتی ہیں۔

شرائع کا اختلاف مصالح کی وجہ سے ہوتا ہے اس حوالے سے حضرت شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں:

كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حِلًّا لِّبَنِيٓ اِسۡرَآءِيۡلَ اِلَّا مَا حَرَّمَ اِسۡرَآءِيۡلُ عَلٰى نَفۡسِهٖ مِنۡ قَبۡلِ اَنۡ تُنَزَّلَ التَّوۡرٰىةُ قُلۡ فَاۡتُوۡا بِالتَّوۡرٰىةِ فَاتۡلُوۡهَآ اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِيۡنَ۔

"اس آیت کی تفسیر یہ ہے کہ یعقوب علیہ السلام ایک شدید مرض میں مبتلا ہوئے تو انہوں نے نذر مانی کے اگر وہ تندرست ہو جاتے ہیں تو وہ اپنا محبوب کھانا پینا اپنے اوپر حرام کر دینگے، جب وہ صحتیاب ہوئے تو انہوں نے اونٹ کا گوشت اور دودھ خود پر حرام کر دیا، ان کی اولاد نے بھی حرمت میں ان کی پیروی کی، اسی حالت پر جب کئی برس گزر گئے تو اب اگر کوئی اس کی مخالفت کر کے (اونٹ کے گوشت کو) کھاتا تو یہ انبیاء کے حق میں اسے زیادتی سمجھتے تھے لہذا تورات میں بھی اس پر حرمت نازل ہوئی۔ لیکن جب نبی ﷺ نے یہ کہا کہ وہ ابراہیم علیہ السلام کے دین پر ہیں تو یہود کہنے لگے کہ آپ ان کے دین پر کیسے ہو سکتے ہیں حالانکہ آپ تو اونٹ کا گوشت کھاتے اور اس کا دودھ پیتے ہیں، اس پر اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ رد کیا کہ اصل میں ہر کھانا حلال تھا البتہ اونٹ ایک عارض کی وجہ سے جو یہود کو لاحق ہوا تھا، حرام قرار دیا گیا، اور جب نبوت بنو اسماعیل میں ظاہر ہوئی تو وہ لوگ اس عارض سے بری تھے لہذا اس کی رعایت بھی واجب نہ رہی۔"(۵)

حضرت شاہ ولی اللہؒ کی یہ عبارت اس بات کی مکمل وضاحت کرتی ہے کہ جس طرح اونٹ کی حرمت یہ ایک عارض اور مصلحت کی بنا پر تھی اسی طرح شرائع کے باقی احکامات میں بھی اختلاف انہی مصالح کی وجہ سے ہوتا ہے، چنانچہ وہ آگے چل کر فرماتے ہیں:

وَاعْلَم أَنه إِنَّمَا اخْتلفت شرائع الْأَنْبِيَاء عَلَيْهِم السَّلَام لأسباب ومصالح. وَذَلِكَ أَن شَعَائِر الله إِنَّمَا كَانَت شَعَائِر لمعدات وَأَن الْمَقَادِير يُلَاحظ فِي شرعها حَال الْمُكَلّفين وعاداتهم (۶)

## دین اسلام کی خوبی

دینِ اسلام کی خوبی یہ ہے کہ اس میں تاقیامت آنے والے انسانوں کے مصالح کی مکمل رعایت ہے، اور یہی

سابقہ انبیاء کی شرائع سے وجہ امتیاز بھی ہے کہ سابقہ انبیاء کو اصول دین کے علاوہ جو احکامات دیے جاتے تھے وہ اس وقت کی قوم کی مصلحتوں کی بناپر ہوتے تھے، نیا آنے والا نبی کا زمانہ اس مصلحت کا متقاضی نہ ہوتا تھا اور اسے اس زمانے کی قوم کی مصلحت کے مطابق احکامات دیئے جاتے تھے، لیکن اسلام میں زمان ومکان کی یہ قیود نہیں چنانچہ دین اسلام میں آنحضرت ﷺ کو جو احکامات اسلام کے ساتھ مختص ملے وہ اپنے اندر عالمگیریت رکھتے ہیں، اسی وجہ سے اگر آنحضرت ﷺ کی حیاتِ مبارکہ کا مطالعہ کیا جائے تو کہیں بھی آپ ﷺ کی محنت کا محور کوئی ایک قوم، قبیلہ یا زمانہ نہیں بلکہ ان سب سے بالاتر انسانیت ملتی ہے، اسی بات کو مولانا مودودیؒ نے بخوبی انداز میں بیان کیا ہے وہ فرماتے ہیں:

''آپ آنحضرت ﷺ کی زندگی کا مطالعہ کریں تو ایک ہی نظر میں محسوس کرلیں گے کہ کسی قوم پرست یا مُحب وطن کی زندگی نہیں ہے بلکہ ایک محبِّ انسانیت اور ایک عالمگیر نظریہ رکھنے والے انسان کی زندگی ہے۔ ان کی نگاہ میں تمام انسان یکساں تھے، کسی خاندان، کسی طبقے، کسی قوم، کسی نسل یا کسی ملک کے خاص مفاد سے انہیں دلچسپی نہ تھی۔ امیر اور غریب، اُونچ اور نیچ، کالے اور گورے، عرب اور غیر عرب، مشرقی اور مغربی، سامی اور آرین سب کو وہ اس حیثیت سے دیکھتے تھے کہ یہ سب ایک ہی انسانی نسل کے افراد ہیں۔ اُن کی زبان سے تمام عمر کوئی ایک لفظ یا ایک فقرہ بھی ایسا نہ نکلا اور نہ زندگی بھر میں کوئی کام انہوں نے ایسا کیا جس سے یہ شُبہ کیا جاسکتا ہو کہ انہیں کسی ایک طبقۂ انسانی کے مفاد سے زیادہ تعلق تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی زندگی ہی میں حبشی، ایرانی، رومی، مصری اور اسرائیلی، اُسی طرح ان کے رفیق کار بنے جس طرح عرب۔ اور ان کے بعد زمین کے ہر گوشے میں ہر نسل اور ہر قوم کے انسانوں نے اُن کو اسی طرح اپنا رہنما تسلیم کیا جس طرح خود اُن کی اپنی قوم نے، یہ اُسی خالص انسانیت ہی کا کرشمہ تو ہے کہ آج آپ ایک ہندوستانی کی زبان سے اُس شخص کی تعریف سُن رہے ہیں جو صدیوں پہلے عرب میں پیدا ہوا تھا۔''(۷)

آنحضرت ﷺ کی حیات مبارکہ ہی اس امر کی عکاس ہے کہ آپ ﷺ کو عطا کئے گے دین سے لے کر آپ ﷺ کی محنت تک، ہر پہلو تا قیامت آنے والے انسانوں کی مصالح کے موافق ہے۔

بہر حال ہر نبی کو جو احکام دیے جاتے ہیں اگر وہ اپنی اصل حالت پر باقی موجود ہوں تو پھر ان اصولوں کو بدلنے کی کوئی وجہ نہیں ہوتی، یہی وجہ ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے حضرت نوحؑ کو عطا کیے گئے مذہب میں چند اضافے کیے اور اصول کو باقی رکھا، ایسے ہی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ملت ابراہیمی کو اپنے اصولوں پر باقی رکھا اور چند اضافے اس وقت کی مصلحت کے لحاظ سے کیے، پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ملت موسوی کو اپنی اصل پر باقی رکھ کر وقتی مصلحت کے تحت کچھ احکامات میں کمی بیشی کی اور ایسے ہی آنحضرت ﷺ نے اس تسلسل کو برقرار رکھا اور دین عیسوی جو دراصل سابقہ تسلسل سے دین ابراہیمی کی بنیاد رکھتا تھا، اس کے اصول کو برقرار رکھا، لہذا جو چیزیں دینِ ابراہیمی سے اپنی اصل شکل میں نہ رہی تھیں آنحضرت ﷺ انہیں تبدیل کرکے اصل شکل پر باقی لائے، اس باہمی تسلسل کو قرآن مجید میں

کئی مقامات پر بیان کیا گیا ہے (۸) سورۂ شوریٰ میں اللہ پاک فرماتے ہیں:

كَبُرَ عَلَى الْمُشْرِكِيْنَ مَا تَدْعُوْهُمْ اِلَيْهِ ؕ

"(پھر بھی) مشرکین کو وہ بات گراں گذرتی ہے جس کی طرف تُم اُنہیں دعوت دے رہے ہو۔"

اس آیت کریمہ کا یہ حصہ جہاں اس بات کی طرف نشاندہی کر رہا ہے کہ آنحضرت ﷺ کا دینِ اسلام کی طرف دعوت دینا کوئی نئی بات نہیں ہے، بلکہ اسی کی طرف تو سابقہ انبیاء بھی دعوت دیتے رہے ہیں، بالخصوص وہ انبیاء جو خود مشرکینِ عرب کے نزدیک مسلّم ہیں، وہاں ہی آیت کریمہ کا یہ حصہ اس بات کی خبر بھی دیتا ہے کہ مشرکینِ مکہ بھی انبیاء کی دعوت کے قائل تھے، آسمانی مذہب کے وجود کو تسلیم کرتے تھے، انبیاء کے احکامات میں کامیابی سمجھتے تھے، البتہ انہوں نے انبیاء کے بتلائے گئے اصولوں میں اپنی طرف سے کی گئی زیادتیوں کو بھی دین میں شمار کر لیا تھا، اسی بناء پر آنحضرت ﷺ کا ان پر یہ حجت ٹھہرانا درست معلوم ہوتا ہے کہ میری دعوت کوئی نئی دعوت نہیں بلکہ انہی انبیاء کی دعوت ہے جن کے تم خود کو نام لیوا شمار کرتے ہو۔ اوران کی اصل دعوت وہ نہیں جو تم اپنی طرف سے اضافے کر کے سمجھ بیٹھے ہو بلکہ وہ دعوت اصل ہے جس کی طرف میں تمہیں بلاتا ہوں۔

## فکرِ شاہ ولی اللہؒ کا تجزیہ

حضرت شاہ ولی اللہؒ حجۃ اللہ البالغۃ میں یہ موقف اختیار کرتے ہیں کہ ہر نبی کی سنت اوراس پر نازل کردہ شریعت کے اصول مسلم ہوتے ہیں، لہذا جس قوم میں وہ مبعوث کئے جاتے، اس قوم میں اگر سابقہ نبی کی سنت اصلی حالت میں باقی ہو تو اس کو بدلنے یا تبدیل کرنے کے کوئی معنی نہیں بلکہ اس کا بقاء واجب ہوتا ہے۔ (۹)

حضرت شاہ صاحبؒ اپنے اس اصول کے مقدمات کے طور پر زمانۂ جاہلیت کی تصویر کشی کرتے ہیں جس میں وہ اس زمانے کے دینی پس منظر کو واضح کرتے ہیں جس سے یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ زمانہ جاہلیت میں بھی سابقہ انبیاء کی تعلیمات کی کچھ رمق باقی تھی۔ حضرت شاہ صاحبؒ کے بیان کے مطابق مشرکین عرب میں انبیاء کرام کے جن احکام و تعلیمات کی کچھ رمق باقی تھی وہ درج ذیل ہیں:

- وہ انبیاء کی بعثت کے قائل تھے۔
- اعمال کے بدلے کے قائل تھے۔
- نیکی کی مختلف اقسام کا اعتقاد رکھتے تھے۔
- زمین وآسمان کا خالق صرف اللہ تبارک وتعالیٰ کو جانتے ومانتے تھے۔
- تقدیر پر ایمان رکھتے تھے، کہ ہر ہونے والی چیز پہلے سے باری تعالیٰ نے مقدر کر رکھی ہے۔

- ان کا یہ عقیدہ تھا کہ باری تعالیٰ کو یہ حق ہے کہ وہ بندوں پر جو چاہے حلال کر دے اور جو چاہے حرام کر دے۔
- وہ اس بات پر بھی یقین رکھتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کے کچھ مقرب فرشتے ہیں اور وہ کائنات میں اللہ کے حکم سے مامور ہیں اور جو حکم اللہ انہیں دے وہ اس میں اللہ کی نافرمانی نہیں کرتے۔ جس بات کا حکم دیا جائے بس وہی کرتے ہیں۔
- انہی اکابر فرشتوں سے متعلق ان کا اعتقاد تھا کہ وہ نہ کھاتے ہیں نہ پیتے ہیں، نہ نافرمانی کرتے ہیں اور نہ ہی نکاح کرتے ہیں وہ بہترین آدمیوں کے سامنے آتے ہیں، انہیں بشارتیں سناتے ہیں۔
- ان کا یہ اعتقاد تھا کہ بہترین آدمیوں ہی میں سے اللہ پاک اپنے کسی خاص بندے کو مبعوث کرتا ہے جس پر وحی آتی ہے اور اس پر فرشتوں کا نزول ہوتا ہے، لہذا اس کی اطاعت لازم ہوتی ہے۔
- ایسے ہی عرب شعراء کے کلام میں ملاءاعلیٰ اور عرش کو اٹھانے والے فرشتوں کا تذکرہ بھی ملتا ہے۔
- ان میں طہارت کا تصور بھی تھا۔
- غسل جنابت بھی کیا کرتے تھے۔
- ختنہ اور دوسرے فطری کام بھی کرتے تھے۔
- ان میں نماز کا تصور بھی تھا۔
- ان میں زکوۃ کا تصور بھی تھا۔
- وہ مہمان نوازی بھی کرتے تھے۔
- مسافر کا بھی اکرام کرتے تھے۔
- مساکین پر صدقہ بھی کرتے تھے۔
- صلہ رحمی بھی کیا کرتے تھے۔
- مصیبت میں باہم ایک دوسرے کی مدد بھی کرتے تھے۔
- ان اوصاف کے حامل شخص ہی کو کامل انسان اور خوش بخت سمجھتے تھے۔
- ان میں فجر سے غروب شمس تک روزے کا تصور بھی پایا جاتا تھا۔
- مسجد میں ٹھہرنے (اعتکاف) کا تصور بھی ان کے ہاں موجود تھا۔
- غلاموں کو آزاد کرنا بھی ان میں پایا جاتا تھا۔[۱۰]

درج بالا امور ایسے نہ تھے کہ ہر شخص ان کا قائل یا ہر شخص ان کا منکر تھا، بلکہ بحیثیت قوم ان میں یہ امور فی الجملہ پائے جاتے تھے، ان میں افراط و تفریط کرنے والے بھی موجود تھے، جیسے ہر قوم میں سرکش لوگ ہوتے ہیں، چنانچہ

یہ تو وہ اصل احکام تھے جو انبیاء کی تعلیمات میں سے ان میں موجود تھے، لیکن ان میں اضافہ انہوں نے خود بھی کیا تھا، جیسے کہ فرشتوں کے بارے میں باری تعالیٰ کی بیٹیاں ہونے کا عقیدہ بھی ان میں تھا، یہ افراط و تفریط کا شکار لوگ تھے، لیکن اسی دور میں ایسے لوگ بھی تھے جن میں درج بالا احکامات میں سے کچھ نا کچھ اپنی اصل حالت میں بھی پائے جاتے تھے۔ حضرت شاہ صاحب کے مطابق اگرچہ وہ لوگ صراط مستقیم سے بہت دور نکل چکے تھے لیکن ان امور کے ان میں باقی ہونے کی وجہ سے ان پر اتمام حجت قائم ہو سکی۔ (۱۱)

حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ جب ان میں فسق و فجور عام ہو گیا، سود و زنا پھیل گیا، نماز و اذکار سے وہ لوگ پھر گئے تو پھر ان میں آنحضرت ﷺ مبعوث ہوئے، آپ ﷺ نے ان کے احوال کو پرکھا جو اصل ملتِ ابراہیمی پر تھے انہیں قائم رکھا اور جو تحریفات دینِ ابراہیمی میں کی گئی تھیں انہیں ختم کیا۔ (۱۲)

اس بحث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اسلام حادثات کے سبب وجود میں آنے والا دین نہیں، بلکہ جس طرح آنحضرت ﷺ کا مبعوث ہونا انبیاء کرام کی بعثت کے تسلسل کی آخری کڑی ہے، بالکل اسی طرح احکامِ الٰہیہ کے تسلسل کی ایک کڑی اسلام بھی ہے، چنانچہ جب اسلام کا تسلسل وارتقاء سابقہ ادیان سے ثابت ہوتا ہے تو بطریقِ اولیٰ مکی و مدنی عہد میں تسلسل وارتقاء کا التزام ثابت ہوتا ہے۔ چنانچہ آنے والی سطور یہ بات واضح ہو جاتی ہے۔

## مکی و مدنی تقسیم کی ابتداء اور ضرورت

مفسرینِ کرام کے ہاں عام طور پر مکی و مدنی کی اصطلاحات پائی جاتی ہیں، قرآن کریم کی سورتوں اور آیات کے ذیل میں یہ بحث کی جاتی ہے کہ یہ سورت یا آیت مکی ہے یا مدنی؟ اسی سے پھر مکی عہد و مدنی عہد کا اامتیاز ابھرتا ہے۔ دراصل اس بحث میں دو طرح کی رائے سامنے آتی ہیں، ایک گروہ وہ ہے جو احکام میں عہد مکی و مدنی کے فرق و امتیاز میں اس قدر شدت اختیار کرتا ہے کہ مکی و مدنی احکام میں ارتباط و تسلسل ہی سے انکاری ہو جاتا ہے جس سے عمومی طور پر یہ رجحان جنم لینے لگتا ہے کہ احکام الٰہیہ کا تعلق مدنی عہد سے ہے اور مکی عہد میں اخلاقی مواعظ اور امم سابقہ کے قصص پائے جاتے ہیں۔ جبکہ دوسری جانب مستشرقین کے اعتراضات کے جوابات دیتے ہوئے مکی و مدنی احکام میں تسلسل کے ثبوت کو اس شدت سے بیان کیا جاتا ہے کہ مکی و مدنی تقسیم ہی سے انکار اور اسے اسلامی روح کے مخالف سمجھا جانے لگتا ہے۔ **والحق فیمابینھما۔**

قاضی ابو بکرؒ فرماتے ہیں کہ یہ مکی و مدنی اصطلاحات کے بارے میں آنحضرت ﷺ سے کچھ بھی مروی نہیں ہے، یہ صحابہ کرامؓ اور جمہور سے مروی ہے، جب انہوں نے قرآن کریم کی عظمت کو جانا اور اس کے یاد کرنے میں خود کو ایسا مگن کیا کہ اس کے بارے میں یہ بھی اہتمام سے یاد رکھنے لگے کہ کونسی آیت یا سورت مکہ میں نازل ہوئی اور کونسی مدینہ

میں۔ آنحضرت ﷺ نے نہ تو اس کی طرف رہنمائی فرمائی اور نہ آپ ﷺ سے اس بارے میں کچھ منقول ہے[۱۳] اور اس کی وجہ قاضی ابو بکرؒ یہ بیان فرماتے ہیں کہ قرآن کریم کے بارے میں یہ بتلانا آنحضرت ﷺ پر واجب نہ تھا کہ یہ کہاں نازل ہوا؟ اور نہ آپ ﷺ کو اس کا حکم دیا گیا تھا کہ آپ ﷺ اسے یاد رکھیں یا امت تک پہنچائیں۔ ایسے ہی صحابہ کرامؓ پر بھی یہ جاننا لازم نہ تھا کہ یہ قرآن کہاں اترا؟ ایسے ہی عام امتی پر بھی یہ لازم نہیں ہے۔[۱۴]

لیکن یہ عام حکم ہے، ایک خاص صورت ایسی ہے جس میں مکی و مدنی کی تخصیص کا جاننا ضروری ہو جاتا ہے۔ قاضی ابو بکرؒ فرماتے ہیں کہ مکی و مدنی کا جاننا بعض صورتوں میں واجب ہو جاتا ہے اور یہ اس وقت ہوتا ہے جب کسی حکم کے بارے میں یہ جاننا پڑے کہ یہ ناسخ ہے یا منسوخ، تو اس کے لئے یہ جاننا ضروری ہوتا ہے کہ کونسا حکم پہلے کا ہے اور کونسا حکم بعد کا ہے۔ جب ایسی صورت ہے تو یہ جاننا کہ فلاں قرآنی آیت، سورت یا حکم مکی ہے یا مدنی، اس کے لئے آنحضرت ﷺ کی طرف سے نص کا ہونا بھی ضروری نہیں ہے، آنحضرت ﷺ کے نص کے بغیر بھی مکی و مدنی کو پہچانا جا سکتا ہے۔[۱۵] کیونکہ آنحضرت ﷺ کے دور میں اس بات کی ضرورت ہی نہ تھی کہ مکی و مدنی آیات یا سورتوں کی تخصیص کو بیان کیا جائے جیسا کہ بقول علامہ زرقانی کہ مکی و مدنی کا علم روایات کی شکل میں صحابہ و تابعین سے شروع ہوا ہے اس کے بارے میں آنحضرت ﷺ کچھ بھی وارد نہیں ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں اس کو بیان کرنے کی ضرورت ہی نہ تھی، اور یہ ضرورت بھلا کیسے ہوتی کہ وہ وحی کا مشاہدہ کر رہے تھے، قرآن اترنے کا مشاہدہ کر رہے تھے، وہ آنکھوں سے قرآن کے نزول کے مقام، وقت اور سبب کا مشاہدہ کر رہے تھے، اور مشاہدے کے بعد بیان کی ضرورت نہیں ہوتی۔[۱۶]

قرآن کریم کے بارے میں یہ جاننا کہ یہ کہاں نازل ہوا ہے، خود صحابہ کرامؓ میں اس کے اہتمام کا ذکر ملتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے بارے میں امام بخاری روایت لاتے ہیں جس میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ باری تعالیٰ کی قسم اٹھا کر کہتے ہیں کہ قرآن کریم کی کوئی سورت ایسی نہیں ہے جس کے بارے میں مجھے یہ علم نہ ہو کہ یہ کہاں اتری اور کس کے بارے میں اتری۔ اور اگر مجھے معلوم ہو جائے کہ کوئی اس معاملے میں کتاب اللہ کا مجھ سے زیادہ علم رکھتا ہے تو پھر اس کی طرف اگر سوار ہو کر بھی جانا پڑے تو میں ضرور جا کر اس سے یہ علم حاصل کروں گا۔[۱۷]

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے اس قول سے بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ وہ کتنے اہتمام سے اس بات کو یاد رکھتے تھے کہ قرآن کریم کا کونسا حصہ کہاں نازل ہوا، اسی وجہ سے بعد کے علماء میں یہ باقاعدہ ایک فن کی شکل اختیار کر گیا اور قرون اولیٰ ہی سے اس فن میں علماء کرام نے تصانیف شروع کر دی تھیں۔ شیخ شفاعت ربانی نے اپنے ایک رسالے میں اس فن پر لکھی گئی چند کتب کی نشاندہی کی ہے[۱۸] جن میں بڑے نامور ائمہ کے نام شامل ہیں جنہوں نے اس فن میں کتب تصنیف کیں۔ اس فن میں اس قدر تصنیفات اور علماء کا اس اہتمام سے اس میں منہمک ہونا اس کی جلالت شان کو

بتلاتا ہے۔ یہ وہ کتب ہیں جن میں اس فن پر مستقل طور پر لکھا گیا، علوم القرآن کی وہ کتب کثیر تعداد میں موجود ہیں جن میں کسی ایک فصل یا باب کے تحت اس فن پر بحث کی گئی۔

## مکی و مدنی اصطلاحات کی راجح تشریح

مذکورہ بحث سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ مکی و مدنی تقسیم اور پھر اس کا علم کی شکل اختیار کر جانا یہ ایک لازمی امر ہے، لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ جب آیاتِ قرآنیہ یا قرآنی سورتوں کو مکی و مدنی صفت کے ساتھ خاص کیا جائے تو ان کا آپس میں تعلق بھی نہ ہو، اگر مکی و مدنی اصطلاحات کو جلیل القدر مفسرین اور علوم القرآن پر دسترس رکھنے والے علماء کی تشریح کے مطابق لیا جائے تو پھر مکی و مدنی آیات میں تسلسل وارتقاء بآسانی سمجھ آتا ہے، چنانچہ ذیل میں مکی و مدنی اصطلاحات کی تشریح درج کی جاتی ہے۔ علامہ زرکشیؒ فرماتے ہیں:

"اہلِ علم کے مکی و مدنی کے بارے میں تین طرح کے اقوال ہیں، پہلا قول یہ ہے کہ مکی اس آیت یا سورۃ کو کہیں گے جو مکہ میں نازل ہوئی اور مدنی جو مدینہ میں نازل ہوئی۔ دوسرا قول یہ ہے کہ ہجرت سے پہلے نازل ہونے والا قرآنی حصہ مکی اور ہجرت کے بعد نازل ہونے والا مدنی کہلائے گا۔ تیسرا قول یہ ہے کہ قرآن کریم کے جس حصے میں اہلِ مکہ کو خطاب ہے وہ مکی اور جس میں اہلِ مدینہ کو خطاب ہے وہ مدنی کہلائے گا۔"(۱۹)

علامہ زرکشیؒ نے ان تین اقوال میں سے دوسرے قول کو مشہور کہہ کر اس کے راجح ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے، جبکہ علامہ زرقانیؒ نے ان تین اقوال کے ذکر کرنے کے بعد علامہ زرکشیؒ کی بیان کردہ دوسری تشریح کو راجح قرار دیا البتہ ترتیب میں انہوں نے اس کو تیسرے درجے پر رکھا اور پھر اسے راجح قرار دیا۔(۲۰)

علامہ زرقانیؒ نے جس تعریف کو راجح اور صحیح قرار دیا وہ یہ ہے کہ ہجرت سے قبل قرآن کریم کا جو حصہ نازل ہوا وہ مکی کہلائے گا اور ہجرت کے بعد جو حصہ نازل ہوا وہ مدنی کہلائے گا، یہ تعریف ایسی ہے کہ اس پر کوئی اشکال نہیں ہوتا، اسی وجہ سے جمہور علماء نے اسی کو اختیار کیا ہے۔ اس تعریف کے مطابق عقلی طور پر یہ بات لازم آتی ہے کہ مکی و مدنی آیات واحکام میں قدرے فرق ہو، کیونکہ قرآن کریم مخاطبین کے احوال کے مطابق نازل ہوتا رہا ہے اور مکی عہد، مدنی عہد سے یکسر تبدیل ہے، مکی عہد میں مسلمان مغلوب اور مدنی عہد میں غالب تھے، لہذا اس فرق کی بنیاد پر علماء نے جب مکی آیات کی تفسیر بیان کی تو ان کے پیشِ نظر ہجرت سے قبل کا زمانہ تھا، جس کے احوال مختلف تھے، لہذا اس میں نازل ہونے والے احکام اس وقت کی مصالح کے مطابق تھے، اور جب مفسرین کرام نے مدنی آیات کی تفسیر بیان کی تو ان کے پیشِ نظر ہجرت سے بعد کا زمانہ تھا، جس کے احوال مختلف تھے، اوراس میں نازل ہونے والے احکام اس وقت کی مصالح کے مطابق تھے۔ لہذا مفسرین کرام نے اسی تناظر میں قرآن کریم کی تفسیر بھی بیان فرمائی ہے۔

## مکی و مدنی آیات و سورتوں میں یکسانیت

مفسرین کرام کے اس طرز سے یہ شبہ پیدا ہوتا ہے کہ گویا مکی عہد اور مدنی عہد میں بالکل کوئی مناسبت نہیں اوران میں کسی بھی طرح کا کوئی تسلسل اور تعلق نہیں ہے۔اسی شبہ کی بنیاد پر مستشرقین نے قرآن کریم پر اعتراضات کیے ہیں اور اسی شبہ کو رفع کرنے کے لئے ایک گروہ نے اس کا اس قدر رد کیا کہ گویا وہ مکی و مدنی تقسیم ہی کی مخالفت کر بیٹھے۔حالانکہ مفسرینِ کرام نے نہ تو اس کا دعویٰ کیا ہے اور نہ حقیقت میں مکی و مدنی آیات میں عدمِ تسلسل وانقطاع موجود ہے۔بلکہ قرآن کریم کے پیش نظر مخاطبین کے احوال تھے وہ مکی عہد میں جن احکام وانداز کے متقاضی تھے، قرآن کریم اسی انداز میں نازل ہوا اور مدنی عہد میں وہ جس انداز کے متقاضی ہوئے قرآن کریم اسی انداز میں نازل ہوا۔ چنانچہ ایسا بھی ہوا کہ مکی و مدنی آیات میں یکساں انداز اپنایا گیا ہے، جیسا کہ درج ذیل آیات میں وعدو وعید، شدت وغصہ کا اظہار ہے:

- فَصَبَّ عَلَيْهِمْ رَبُّكَ سَوْطَ عَذَابٍ۔ إِنَّ رَبَّكَ لَبِالْمِرْصَادِ[(۲۱)]
- أَلْهَاكُمُ التَّكَاثُرُ.... الی آخر السورۃ[(۲۲)]
- وَالْعَصْرِ اِنَّ الْإِنْسَانَ لَفِي خُسْرٍ.... الی آخر السورۃ[(۲۳)]
- تَبَّتْ يَدَا أَبِي لَهَبٍ وَتَبَّ.... الی آخر السورۃ[(۲۴)]

یہ آیات مکی ہیں اوران میں مخاطبین کے احوال کے مطابق وعدو وعید، شدت وغصہ بالکل عیاں ہیں، بالکل یہی اسلوب مدنی آیات میں بھی ملتا ہے، درج ذیل آیات ملاحظہ ہوں:

- إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ أَمْوَالُهُمْ وَلا أَوْلادُهُمْ مِنَ اللَّهِ شَيْئاً وَأُولَئِكَ هُمْ وَقُودُ النَّارِ. كَدَأْبِ آلِ فِرْعَوْنَ وَالَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا فَأَخَذَهُمُ اللَّهُ بِذُنُوبِهِمْ وَاللَّهُ شَدِيدُ الْعِقَابِ. قُلْ لِلَّذِينَ كَفَرُوا سَتُغْلَبُونَ وَتُحْشَرُونَ إِلَى جَهَنَّمَ ،وَبِئْسَ الْمِهَادُ[(۲۵)]
- يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَذَرُوا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبا إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ فَإِنْ لَمْ تَفْعَلُوا فَأْذَنُوا بِحَرْبٍ مِنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ[(۲۶)]
- الَّذِينَ يَأْكُلُونَ الرِّبا لا يَقُومُونَ إِلَّا كَمَا يَقُومُ الَّذِي يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطَانُ مِنَ الْمَسِّ[(۲۷)]
- فَإِنْ لَمْ تَفْعَلُوا وَلَنْ تَفْعَلُوا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِي وَقُودُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ أُعِدَّتْ

لِلْكَافِرِينَ (۲۸)

درج بالا آیات مدنی ہیں لیکن ان میں بعینہ وہی اسلوب اختیار کیا گیا ہے جو مکی آیات میں اختیار کیا گیا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ اصلاحِ فرد ہو یا اصلاحِ معاشرہ، اس کی تربیت کے لئے ترغیب وترہیب ہی کی راہ اپنائی جاتی ہے۔ بالکل اسی طرح جیسے یہ مشہور ہے کہ مدنی آیات میں نرم لہجہ اختیار کیا گیا ہے، مکی آیات میں بھی نرمی اور حکمت سے مخاطب کیا گیا ہے، درج ذیل آیات ملاحظہ ہوں:

- فَمَا أُوتِيتُمْ مِنْ شَيْءٍ فَمَتَاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَمَا عِنْدَ اللَّهِ خَيْرٌ وَأَبْقَى لِلَّذِينَ آمَنُوا وَعَلَى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ. وَالَّذِينَ يَجْتَنِبُونَ كَبَائِرَ الْإِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ وَإِذَا مَا غَضِبُوا هُمْ يَغْفِرُونَ. وَالَّذِينَ اسْتَجَابُوا لِرَبِّهِمْ وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَأَمْرُهُمْ شُورَى بَيْنَهُمْ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنْفِقُونَ. وَالَّذِينَ إِذَا أَصَابَهُمُ الْبَغْيُ هُمْ يَنْتَصِرُونَ. وَجَزَاءُ سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِثْلُهَا فَمَنْ عَفَا وَأَصْلَحَ فَأَجْرُهُ عَلَى اللَّهِ إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الظَّالِمِينَ. وَلَمَنِ انْتَصَرَ بَعْدَ ظُلْمِهِ فَأُولَئِكَ مَا عَلَيْهِمْ مِنْ سَبِيلٍ. إِنَّمَا السَّبِيلُ عَلَى الَّذِينَ يَظْلِمُونَ النَّاسَ وَيَبْغُونَ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ أُولَئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ. وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ إِنَّ ذَلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْأُمُورِ (۲۹)
- وَمَنْ أَحْسَنُ قَوْلاً مِمَّنْ دَعَا إِلَى اللَّهِ وَعَمِلَ صَالِحاً وَقَالَ إِنَّنِي مِنَ الْمُسْلِمِينَ. وَلَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ ادْفَعْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ فَإِذَا الَّذِي بَيْنَكَ وَبَيْنَهُ عَدَاوَةٌ كَأَنَّهُ وَلِيٌّ حَمِيمٌ. وَمَا يُلَقَّاهَا إِلَّا الَّذِينَ صَبَرُوا وَمَا يُلَقَّاهَا إِلَّا ذُو حَظٍّ عَظِيمٍ (۳۰)
- وَلَقَدْ آتَيْنَاكَ سَبْعاً مِنَ الْمَثَانِي وَالْقُرْآنَ الْعَظِيمَ. لَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ إِلَى مَا مَتَّعْنَا بِهِ أَزْوَاجاً مِنْهُمْ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِلْمُؤْمِنِينَ (۳۱)

درج بالا آیات مکی ہیں اوران میں اختیار کردہ اسلوب بالکل وہی ہے جو اکثر مدنی آیات میں اختیار کیا گیا ہے، ان مثالوں سے واضح ہوتا ہے کہ مکی ومدنی آیات میں اختیار کردہ اسلوب مکہ ومدینہ کے ساتھ خاص نہیں کہ ایک اسلوب مکی ہو اور دوسرا مدنی، بلکہ یہ مخاطبین کے احوال کی مناسبت سے ہے، مخاطبین کے احوال اگر ہجرت سے پہلے اور بعد میں یکساں انداز کے متقاضی ہوئے تو قرآن کریم اسی انداز میں نازل ہوا، اس میں مکی ومدنی عہد کی کوئی تفریق نہیں ہے۔

اسلامی احکام کا ارتقاء تدریجاً ہوا ہے، اس میں مخاطبین کے احوال اوران کی مصالح اصل محور رہے ہیں، ان میں زمان ومکان سے فرق نہیں پڑتا، چنانچہ اسلامی احکام اپنے متعین کردہ اوقات میں ہی نازل ہوئے ہیں، اس لئے ان

میں تدریجی وارتقائی تعلق قائم رہا ہے، چاہے یہ احکامات مدنی ہوں یا مکی، البتہ مکی دور چونکہ اسلام کا ابتدائی دور ہے اس لئے اس میں اصول دئے گئے ہیں، اور مدنی عہد میں جو احکام نازل ہوئے ہیں وہ تفصیل کے ساتھ ضرور ہیں لیکن وہ مکی عہد میں نازل کردہ کسی اصولی واجمالی حکم کی تفصیل ہوتے ہیں۔ اس نظریے سے یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ مکی ومدنی آیات احکام میں ایک تسلسل وارتقائی ربط ہے، امام شاطبیؒ (ابراہیم بن موسیٰ الغرناطی) نے اس موضوع پر سیر حاصل گفتگو کی ہے اوراس حوالے سے نہایت جامع دلائل بیان کئے ہیں۔

## امام شاطبیؒ کا نظریہ

امام شاطبیؒ الموافقات میں فرماتے ہیں کہ اگر مدنی عہد میں کوئی اصل کلی ملتی ہے تو اس میں غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ وہ یا تو کسی دوسری اصل کلی کی تکمیل کے لئے ہے یا پھر وہ اپنے سے زیادہ عام کی نسبت سے جزئی ہوگی، اور اس کو آسان طریقے سے سمجھانے کے لئے امام شاطبیؒ نے پانچ بنیادی اصول بتلائے ہیں شریعت جن کی حفاظت کے لئے وارد ہوئی ہے اور وہ پانچ اصول یہ ہیں: دین، جان، عقل، نسل اور مال۔ (۳۲)

اگر امام شاطبیؒ کے ان پانچ اصولوں کو شریعت کے اصول کلیہ تسلیم کرلیا جائے تو پھر یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ مدنی عہد میں جتنے بھی احکام وارد ہوئے ہیں ان سب کا مکی عہد میں نازل شدہ احکام سے بہت گہرا تعلق اور انتہائی مضبوط رشتہ ہے۔ امام شاطبیؒ نے ان پانچ اصولوں کو مکی عہد میں ثابت کیا ہے۔ امام شاطبیؒ فرماتے ہیں کہ شریعت کے پانچ اصول کلیہ مکہ مکرمہ میں نازل ہوئے چنانچہ دین کی ابتداء تو مکہ سے ہوئی ہے، جان کی حفاظت کا حکم بھی مکہ میں نازل ہوا اس کی دلیل قرآن کریم کی آیت (ولاتقتلوا النفس التی حرم الله الا بالحق) ہے، جب جان کی حفاظت کا حکم مکہ مکرمہ میں نازل ہوا تو جان میں عقل بھی ایسے ہی شامل ہے جیسے جسم کے باقی اعضاء، اسی طرح مکہ مکرمہ میں حرمتِ زنا اور صرف بیویوں اور باندیوں سے تکمیل حاجت کی پابندیوں سے نسل کی حفاظت کی گئی اور مکہ مکرمہ ہی میں اسراف، مالِ یتیم وغیرہ میں ناجائز تصرفات سے منع کرکے مال کی حفاظت کا حکم دیا گیا۔ (۳۳)

## امام شاطبیؒ کا نظریہ اور دینِ حنیف سے ربط

مذکورہ پانچ اصول بیان کرنے کے بعد امام شاطبیؒ نے یہ موقف اختیار کیا ہے کہ اس کے علاوہ باقی جو احکام مدینہ منورہ میں نازل ہوئے ہیں ان کی کوئی نا کوئی اصل مکہ مکرمہ میں ضرور تھی، جیسے روزہ اور حج ہیں یہ اصل میں تکمیل کے باب میں سے ہیں، یعنی روزہ اور حج کا تصور اہلِ مکہ کے ہاں پایا جاتا تھا، مدینہ منورہ میں انہیں صرف اصلی حالت میں لاکر باقی رکھا گیا، اورانہیں مزید مستحکم کیا گیا ہے، (۳۴) ایسے ہی امام شاطبیؒ جہاد جیسے فریضے کو امر بالمعروف ونہی عن المنکر کی اصلِ کلی کے ماتحت تسلیم کرتے ہیں۔ (۳۵)

امام شاطبیؒ کا نظریہ مکی ومدنی آیات کے باہمی ارتباط اور آپس کے مضبوط رشتے کو واضح کرتا ہے۔ علامہ زرقانیؒ نے بھی امام شاطبیؒ کے اس موقف کو بڑے مؤید انداز میں بیان کیا ہے، چنانچہ وہ فرماتے ہیں:

''مکی قسم شریعت اور احکام سے بالکلیہ خالی نہیں بلکہ اجمالی طور پر ان کا ذکر موجود ہے کیونکہ مقاصد دین پانچ ہیں: باری تعالیٰ، اس کے فرشتوں، کتابوں، رسولوں، آخرت اور اچھی بری تقدیر پر ایمان لانا، جان کی حفاظت کرنا، عقل کی حفاظت کرنا، نسل کی حفاظت کرنا اور مال کی حفاظت کرنا۔ مکی قسم میں ان تمام کا اجمالاً تذکرہ ملتا ہے۔''[۳۶]

## خلاصہ بحث

مکی ومدنی عہد کے احکام میں ایک مضبوط رشتہ اور تسلسل ہے، فرق صرف اتنا ہے کہ مکی عہد میں احوال مختلف تھے اور مدنی عہد میں احوال مختلف تھے، آنحضرت ﷺ نے مکی عہد میں دین کی محنت اس وقت کے مقتضائے حال کے مطابق کی، اور اس وقت فروعات کے بجائے اصولوں کی طرف اس امت کو دعوت دی، قرآن کریم نے بھی مکی عہد میں اصولوں ہی کی طرف زیادہ توجہ مرکوز رکھی، جب مدنی عہد میں حالات سازگار ہوگئے تو اس وقت آنحضرت ﷺ نے اسلام کے فروعات کو تفصیل سے بیان کیا، جو کہ اس وقت کا تقاضا تھا۔

## عہد مکی اور موجودہ دور

دعوتِ دین کے لئے منہج نبوی ﷺ یہی ہے اور موجودہ دور میں فکری ارتداد جس تیزی سے پھیل رہا ہے، اس دور میں مکی عہد میں نازل ہونے والی آیات کے پس پشت حکمتوں، مصلحتوں کو ملحوظِ خاطر رکھتے ہوئے امت کو اصولوں کی طرف کاربند رکھنے کی دعوت دینا وقت کا تقاضا ہے، لہٰذا موجودہ دور میں مکی عہد کے طرز پر اسلام کی بقاء کی جنگ لڑنا ہی صحیح طور پر اسلام کے دفاع کا راستہ ہے۔

## نتائج البحث

مذکورہ بالا بحث سے درج ذیل نتائج ماخوذ ہوتے ہیں:

- اسلام کوئی نیا مذہب نہیں بلکہ اسلام دینِ حنیف کی تکمیل کا نام ہے۔
- آنحضرت ﷺ نے دینِ حنیف کے احکامات کو یکسر نظر انداز نہیں کیا بلکہ انہیں اپنی اصل پر لوٹا کر برقرار رکھا۔
- مکی ومدنی عہد میں اگرچہ احوالِ مخاطبین مختلف تھے، لیکن اسلام کے تدریجی وارتقائی تناسب سے، دونوں عہد باہم مربوط ہیں۔

- مکی و مدنی عہد میں عدم تسلسل وارتقاء کا قول اور ایسے ہی تسلسل کے ساتھ مکی و مدنی امتیاز کی نفی کا قول درست نہیں۔
- مکی و مدنی اصطلاحات اور مکی و مدنی علم کوئی بدعت نہیں بلکہ راسخین فی العلم کے لئے بعض صورتوں میں واجب ہے۔
- مکی و مدنی آیات میں قرآنی اسلوب کسی مکان کے ساتھ خصوصیت نہیں رکھتا بلکہ مخاطبین کے احوال کے مطابق مکان کی قید سے آزاد ہوتا ہے۔
- مکی و مدنی آیاتِ احکام میں کلی جزئی کا تعلق ہے۔
- مدنی احکام میں بہت سے ایسے احکامات ہیں جن کی اصل دینِ حنیف میں پائی جاتی تھی اور مدنی عہد میں ان کو مزید پختہ کیا گیا ہے۔

## حوالہ جات


۱۔ القرآن، الشوریٰ:۱۳

۲۔ مجاہد بن جبر التابعي المكي القرشي المخزومي، تفسیر مجاهد، ص:۵۸۸، دار الفکر الإسلامي الحديثة، مصر الطبعة: الأولى، ۱۴۱۰ھ - ۱۹۸۹م

۳۔ القرآن، المؤمنون:۵۳،۵۲

۴۔ بخاری، محمد بن اسماعیل البخاری، صحیح بخاری، ج:۴، ص:۱۸۶، رقم الحدیث:۳۵۳۵، دار طوق النجاة (مصورة عن السلطانية بإضافة ترقيم ترقيم محمد فؤاد عبد الباقي) الطبعة: الأولى، ۱۴۲۲ھ۔

۵۔ شاہ ولی اللہ، حجۃ اللہ البالغۃ، ج:۱، ص:۱۶۲، الناشر: دار الجيل، بيروت – لبنان الطبعة: الأولى، سنة الطبع: ۱۴۲۶ھ - ۲۰۰۵م

۶۔ ایضاً، ج:۱، ص:۱۶۳

۷۔ مودودی، ابوالاعلیٰ، سیرت سرور عالم، ج:۱، ص:۱۵۸

۸۔ القرآن، الشوریٰ:۱۳

۹۔ شاہ ولی اللہ، حجۃ اللہ البالغۃ، ج:۱، ص:۲۱۸

۱۰۔ ایضاً، ملخص از ج:۱، ص:۲۱۸ تا ۲۲۳

۱۱۔ ایضاً، ج:۱، ص:۲۲۱

۱۲۔ ایضاً، ج:۱، ص:۲۲۲، ۲۲۳

۱۳۔ باقلانی، محمد بن الطیب، الانتصار للقرآن، ج:۱، ص:۲۴۷، الناشر: دار الفتح - عَمّان، دار ابن حزم - بيروت الطبعة: الأولى

۱۴۲۲ھ - ۲۰۰۱م

۱۴۔ ایضاً، ج:۱، ص:۲۴۷

۱۵۔ باقلانی، محمد بن الطیب، الانتصار للقرآن، ج:۱، ص:۲۴۷

۱۶۔ زرقانی، عبد العظیم الزرقانی، مناھل العرفان فی علوم القرآن، ج:۱، ص:۱۹۶، الناشر: مطبعة عيسى البابي الحلبي وشركاه الطبعة: الطبعة الثالثة

۱۷۔ بخاری، صحیح بخاری، ج۶، ص۱۸۷

۱۸۔ ربانی، محمد شفاعت ربانی، المکی والمدنی، ص:۵

۱۹۔ زرکشی، أبو عبد الله بدر الدين محمد بن عبد الله، البرهان في علوم القران، ج:۱، ص:۱۸۷، الناشر: دار إحياء الكتب العربية عيسى البابى الحلبي وشركائه، الطبعة: الأولى، ۱۳۷۶ھ - ۱۹۵۷م

۲۰۔ زرقانی، مناھل العرفان فی علوم القرآن، ج:۱، ص:۱۹۴

۲۱۔ القرآن، الفجر:۱۴۔۱۳

۲۲۔ القرآن، التکاثر:۱ تا۸

۲۳۔ القرآن، العصر:۱ تا۳

۲۴۔ القرآن، لھب:۱ تا۵

۲۵۔ القرآن، آل عمران:۱۱، ۱۰

۲۶۔ القرآن، البقرة:۲۷۹، ۲۷۸

۲۷۔ القرآن، البقرة:۲۷۵

۲۸۔ القرآن، البقرة:۲۴

۲۹۔ القرآن، الشوریٰ:۳۶ تا۴۳

۳۰۔ القرآن، فصلت:۳۲ تا۳۵

۳۱۔ القرآن، الحجر:۸۸، ۸۷

۳۲۔ شاطبی، إبراهيم بن موسى بن محمد اللخمي الغرناطي، الموافقات، ج:۳، ص:۲۳۶، الناشر: دار ابن عفان الطبعة: الطبعة الأولى ۱۴۱۷ھ/ ۱۹۹۷م

۳۳۔ ایضاً، ج:۳، ص:۲۳۶ تا ۲۳۷

۳۴۔ ایضاً، ج:۳، ص:۲۳۹

۳۵۔ ایضاً، ج:۳، ص:۲۴۰

۳۶۔ زرقانی، مناھل العرفان فی علوم القرآن، ج:۱، ص:۲۱۸